درس قرآن 10

قرآن اور انسانی اقدار کا تحفظ



حضرت علامہ

مفتی محمد خان قادری

النور فاؤنڈیشن

68

قرآن اور
انسانی اقدار کا تحفظ

خطاب

حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری

النور فاؤنڈیشن۔ لاہور

19 چمن زار سٹریٹ، لالہ زار فیز II ٹھوکر نیاز بیگ۔ لاہور

سلسلۂ اشاعت نمبر 10

نام کتاب .... قرآن اور انسانی اقدار کا تحفظ

خطاب .... حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری

تحریک .... حافظ محمد عاصم قادری

باہتمام .... حافظ نثار احمد قادری

اشاعت اول .... مئی 2007

ناشر .... النور فاؤنڈیشن ۔لاہور

ہدیہ .... دعائے خیر بحق معاونین

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے 15 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں

ملنے کا پتا

النور فاؤنڈیشن

19 چمن زار سٹریٹ، لالہ زار فیز II ، ٹھوکر نیاز بیگ ۔ لاہور

ریلم ایجوکیشنل سکول سسٹم

چمن زار سٹریٹ، لالہ زار فیز II ، ٹھوکر نیاز بیگ ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے معاشرے میں ایک بہت بڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے کہ انسانی اقدار مٹتی جا رہی ہیں، ہم عبادت و ریاضت کا تصور تو ذہن میں رکھتے ہیں لیکن انسانی اقدار کا خیال نہیں رکھتے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ اسلام میں اہم ہیں لیکن یہ سب کل اسلام نہیں ہیں۔ کسی چیز کا مقام اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر بیان کیا جاتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں قیام کو فرض قرار دیا تو اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ طواف زیارت لازم نہیں رہا، یہ فرضیت، تو وقوف عرفات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ہے۔ اسی طرح اسلام صوم وصلوۃ کی اہمیت بھی بیان کرتا ہے اور حج وزکوۃ کی بھی، لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بس یہی چند چیزیں ہیں اور انہی کو کل اسلام سمجھ لیا جائے، اسی لئے بعض علماء نے اس موضوع پر بھی لکھا ہے کہ یہ چیزیں کل اسلام نہیں ہیں۔ چونکہ ہمارے معاشرے میں تصور یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء اور انتہاء انہی چیزوں پر ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف بھی توجہ مبذول کرائی جائے۔

نماز معراج کے موقع پر ہم پر فرض کی گئی، حضور علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے تو اللہ پاک نے امت کے لئے عظیم تحفہ عطا فرمایا اور حضور کی شانوں میں سے ایک شان یہ ہے کہ اللہ پاک جو شان بھی آپ کو بخشتا آپ اس میں سے امت کو بھی حصہ عطا فرماتے، آپ کو معراج نصیب ہوئی تو آپ نے امت کو نماز کا حکم دیا تا کہ امتی صحیح معنوں میں نمازی بن جائیں تو انہیں بھی معراج ہو جائے، مشہور واقعہ ہے کہ پچاس نمازیں عطا ہوئیں اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر آپ تعداد میں تخفیف کے لئے عرض کرتے رہے یہاں تک کہ پینتالیس نمازیں معاف ہو گئیں اور پانچ باقی رہ گئیں، بے نمازیوں کی بات نہیں ہو رہی جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ہو سکتا ہے کوئی تہجد پڑھنے والے بھی جب وہ سنتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نو دفعہ تشریف لے گئے، دسویں دفعہ آپ سے جانے کے لئے کہا گیا مگر آپ نہیں گئے، تو برملا کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چکر اور لگا لیتے تو مسئلہ حل ہو جاتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہنی طور پر ہم نے نماز کو قبول کیا ہی نہیں، سجدوں کو ہم نے وقعت ہی نہیں دی حالانکہ محدثین نے اقوال نقل کئے ہیں کہ جب پانچ پانچ نمازیں معاف ہو رہی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ اگر میں دسویں دفعہ جاتا ہوں تو میرے ہاتھ میں امت کے لئے کیا رہ جائے گا؟

ایک ایک سجدے سے نہ جانے اللہ پاک کتنے گناہ معاف فرماتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم صحیح نیت سے نیک ارادوں کے ساتھ ذکر الٰہی کے لئے اچھی طرح وضو کر لو تو ناخنوں تک کے گناہ مٹ جاتے ہیں، یہ وضو کی برکت ہے نماز کی صحیح ادائیگی کا اجر و ثواب کیا ہوگا؟

شعوری کیفیت یہ ہونی چاہیے تھی کہ اس نے پانچ نمازیں عطا فرمائی ہیں اگر پچاس کا حکم دیتا تو ان کو بھی پڑھنے کی کوشش کرتے، جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ اگر پچاس ہوتیں تو کیا نمازیں ہی پڑھتے رہتے؟ (سابق وزیر اعظم) ذوالفقار علی بھٹو نے اسمبلی میں علماء سے

پوچھا: پہلے کتنی نمازیں فرض ہوئی تھیں؟ انہوں نے بتایا: پچاس فرض ہوئی تھیں، بھٹو نے کہا کاش! پچاس ہی رہتیں، تم نماز پڑھتے رہتے اور ہم اپنا کام کرتے رہتے، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چوبیس گھنٹے صرف نمازوں کی طرف ہی متوجہ نہیں رہنا چاہیے بلکہ حکومتوں کی طرف بھی توجہ رکھنی چاہیے۔ یہ بھی ایک مغالطہ ہے کہ اگر پچاس فرض ہوتیں تو سارا دن نماز پڑھنے میں ہی گزر جاتا، جس مالک نے فرمایا ہے کہ چار فرض پڑھو، دو فرض پڑھو، اتنی رکعتیں پڑھو ممکن ہے پچاس فرض ہونے کی صورت میں وہ یہ فرما دیتا کہ اپنی دکان پہ بیٹھے بیٹھے سر جھکا دو تمہاری نماز ہو جائے گی، لا یسئل عما یفعل اس کے سامنے سوال اٹھایا ہی نہیں جا سکتا کہ تو نے ایسے کیوں کیا؟ وہ مالک ہے جیسے چاہے اپنی عبادت مقرر کرے۔ اس کے نبی نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ تم کسی سے مسکرا کے ملو! یہ بھی تمہاری طرف سے صدقہ ہے۔

ماں کی گود سے اقدار کا تحفظ

نماز معراج کے موقع پر ملی، روزے کا حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا، زکوۃ اس کے بعد فرض ہوئی، حج بعض کے نزدیک چھٹی ہجری اور بعض کے نزدیک آٹھویں ہجری کو فرض ہوا، نماز اعلان نبوت کے بارہ سال بعد، روزے چودہ سال بعد، زکوۃ اس کے بعد اور حج اس کے بھی بعد فرض ہوا، ان حقائق کے پیش نظر غور طلب امر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماں کی گود سے باون سال تک کس طریق پر چلتے رہے؟ مخلوق کو کس بات کی تعلیم دیتے رہے؟ سیرت کے اس گوشے کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ چونکہ اس معاشرے میں انسانی اقدار

مٹ چکی تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان اقدار کو زندہ کیا۔

"ماں کی گود سے" ان اقدار کی پاسداری کا مطلب یہ ہے کہ آپ دایاں دودھ پیا کرتے لیکن بایاں دودھ نہیں پیتے تھے تا کہ حق کی پاسداری ہو، کسی کا حق نہیں مارنا، اس میں ایسا بھی نہیں کہ ایسے کرنا فرض ہو جاتا ہے بلکہ ماں مالک ہے جس کو چاہے جیسے چاہے پلائے لیکن والدہ خود کہتی ہیں کہ میں تو بار بار یہ کوشش کرتی تھی کہ آپ بائیں طرف دودھ پئیں لیکن جیسے ہی آپ کا چہرہ بائیں طرف کرتی تو آپ دائیں طرف منہ پھیر لیتے، وجہ کیا تھی؟ وجہ صرف یہ تھی کہ میرے ساتھ دوسرے بہن بھائی بھی دودھ پینے والے ہیں، کہیں میں ان کا حق مارنے والا نہ بن جاؤں، یہ تھی انسانی اقدار کے تحفظ کی وہ جنگ جس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی گود سے کیا تھا۔

اسراف کا حقیقی پہلو

عرب معاشرہ ہر حوالے سے غیر سنجیدہ اور بے شعور معاشرہ تھا، ایسے میں دنیا کو جتنا قیمتی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ملا تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی لیکن ہم اس کلام کے خصوصی مخاطب ہوتے ہوئے بھی اپنے لمحات ضائع کرتے ہیں، حالت یہ ہے کہ امت مسلمہ کھانے پینے میں اسراف کا پہلو سمجھتی ہے، خرچ کرنے کو اسراف گردانتی ہے، بے مصرف بہتے پانی کو اسراف میں شمار کرتی ہے، رزق کے حوالے سے اسراف کے پہلو سے شناسا ہے لیکن اپنے سانسوں کی امانت کے حوالے سے اسراف کے پہلو سے بے خبر ہے؟ حالانکہ قرآن کریم

میں جہاں یہ حکم ملے گا کہ کلوا واشربوا و لا تسرفوا (کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو)، إنه لا یحب المسرفین (اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) وہیں یہ فرمان بھی ہے جس میں گنہگاروں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: یا عبادی الذین أسرفوا علی أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله لیکن ہم اس آیت کا دوسرا حصہ پڑھتے ہیں پہلا چھوڑ دیتے ہیں بالفاظ دیگر دوسرے حصے سے شروع کر کے اسی پہ ختم کر دیتے ہیں لا تقنطوا من رحمة الله پہلے کو چھوڑ ہی دیتے ہیں جس میں اللہ تبارک و تعالی اس امر کی طرف توجہ دلا رہا ہے کہ سب سے قدر و منزلت والی چیز تمہارے پاس سانس ہے، عمر ہے، لہذا جیسے تم کھانے پینے میں اسراف کو ناجائز سمجھتے ہو اسی طرح اپنی عمر کو بھی ضائع کرنے سے بھی بچو۔

سیرت طیبہ سے پہلا سبق

ماں کی گود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں، سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ دودھ پینا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دیگر معمولات شریفہ تھے ماں کی گود میں بھی ان سب کا وقت مقرر تھا، ادھر ہم لوگوں کے دینی علوم پڑھنے میں آٹھ آٹھ سال گزر جاتے ہیں مگر بعد میں عمریں تنقید کرتے گزر جاتی ہیں، ہماری اکثر نشستیں تنقید کی نذر ہو جاتی ہیں، فلاں نے کچھ نہیں کیا، فلاں نے یہ نہیں کیا، فلاں نے وہ نہیں کیا، کیا ہم سے یہ پوچھا جائے گا کہ فلاں نے یہ کیا یا نہیں؟ ہمیں تو یہ پوچھا جائے گا کہ تم

نے کیا کیا؟ ہمیں اپنی قبر کی تیاری کرنی چاہیے، اس لئے مثبت رویوں کے ساتھ محنت کر کے اس کام کو کرنا ہے، خیر خواہی کا جذبہ ضرور ہونا چاہیے لیکن یہ بھی پیش نظر رہے کہ معاشرے تنقیدوں سے نہیں محاسبے سے بدلتے ہیں، ہم سب اپنی اپنی راہ لیں اور اپنے وقت کو صحیح استعمال میں لائیں، ہر آدمی اگر اپنے وقت کا صحیح استعمال کرے تو ان شاء اللہ پورا معاشرہ ٹھیک ہو جائے گا۔

امانت کی حفاظت

اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی تعلیم و تربیت تھی اللہ کے حکم کے مطابق تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام بھی اپنے طور پر نہیں کیا بلکہ سب کام اللہ پاک کے اذن سے تھے مثلاً اعلان نبوت سے پہلے ہی آپ جس لقب سے مشہور ہوئے وہ "امین" ہے، جو کوئی بھی آپ کو جاننے والا آدمی تھا خواہ کسی قبیلے کسی شعبے سے تعلق رکھتا تھا وہ مانتا تھا کہ اللہ کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم امین ہیں، جب حجر اسود کی تنصیب کا مسئلہ پیچیدہ ہوا تو انہوں نے طے کیا تھا کہ کل جو حرم میں سب سے پہلے داخل ہوگا وہ پتھر نصب کرے گا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں داخل ہوئے تو اس وقت زبانوں سے یہی الفاظ نکلے کہ امین آ گیا، امین آ گیا۔

ہمارے معاشرے میں تو امانت کا تصور اس حد تک محدود ہو گیا ہے کہ کوئی پیسے دے تو اس کو واپس کر دو۔ اتنا بھی کر دو تو بڑی بات ہے، اب تو لوگ شہروں میں کھلے عام سڑکوں پر

جیب کاٹ لیتے ہیں، ڈاکہ مارتے پھرتے ہیں، اب تو یہ سب ایسے عام ہے جیسے رواج بن گیا ہو۔

بیویوں کے حقوق کی پاسداری

عربی زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے امین کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شعبہ زندگی میں دیانتدار تھے، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن پر کوئی چھوٹا سا داغ بھی نظر آتا ہو۔ مثلاً بیویوں کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر بیویوں کا حق ادا کرنے والے تھے۔ ہمارے معاشرے میں امی کا نام تو لیا جاتا ہے لیکن بیوی کا کوئی ذکر ہی نہیں بلکہ بیوی کی عزت واحترام کو لوگ اپنی توہین محسوس کرتے ہیں حالانکہ تقریباً تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو سالانہ خرچہ بیک وقت دے دیا کرتے تھے بلکہ یہاں تک ہے کہ جب آپ گھر تشریف لاتے تو اپنی بیویوں کا ہاتھ بٹاتے، دودھ دوہنا ہوتا تو عار محسوس نہ فرماتے، آگ جلانی ہوتی تو جلا دیتے۔ آج جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں کوئی اگر کسی کو بتا دے کہ آج میں چائے خود بنا کے پی کر آیا ہوں تو سارے اس کا مذاق اڑائیں گے اور جملے کسیں گے کہ فلاں شخص اپنی بیوی کا مرید ہے۔

ذمہ داری کا احساس

امین کے لقب سے آگاہی کے بعد یہ پہلو بھی پڑھیں کہ جب قرآن کریم آپ پر

نازل ہونا شروع ہوا، یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وحی کا سلسلہ شروع ہوا بلکہ کہنا چاہیے کہ قرآنی وحی کا سلسلہ شروع ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق رب کریم سے کب سے ہے؟ ہم نہیں جانتے، اس بات کو اللہ ہی جانتا ہے، وحی اور رب کریم سے گفتگو کے سلسلے کو ہم کیسے جانیں؟ ہم تو بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم جب نازل ہونا شروع ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کائنات کی سب سے بڑی ذمہ داری آئی اور یہ بات طے ہے کہ کسی کی طبیعت جتنی حساس ہو گی ذمہ داری پر اسے اسی قدر پسینہ آئے گا اور چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حساس اور ذمہ دار تھے اسی لئے آپ کو پسینہ زیادہ آیا اور بار بار آیا۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کمبل اوڑھانے کو کہا، پسینہ آنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ اپنے معاشرے میں دیکھ لیجئے جن لوگوں کو اپنے منصبوں کے تقاضوں کا احساس نہیں وہ کہتے ہیں: اور منصب دے دو، مجھے صدر بھی بنا دو، وزیر اعظم بھی بنا دو، فلاں منصب بھی دے دو، کیوں؟ اس کہ انہیں اپنی قبر بھولی ہوئی ہے، جن لوگوں کو اپنی قبر یاد ہے وہ کہتے ہیں: ہم تھوڑی ذمے داری لے لیتے ہیں اور اسے صحیح طور پر نبھانے کی کوشش کریں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ اس لئے آیا کہ آپ کو تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ نہ جانے کیا ہونے والا ہے، اگر پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد بھی نبی کو

شک ہو تو یقین دلانے والی شے کون سے ہوگی؟ بعض کہتے ہیں کہ آپ ورقہ بن نوفل کے پاس چلے گئے انہوں نے بتایا تب جا کر آپ کو حقیقت حال کا پتہ چلا۔ انبیاء کی تاریخ پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے کہ باقی انبیاء نے زبان سے اعلان کیا کہ میں نبی ہوں تب دوسرے لوگوں کو پتہ چلا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد ذات ہیں کہ دوسروں نے آپ سے بھی پہلے اعلان کیا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ یہ آپ کا امتیاز ہے کہ اس دور میں تورات، زبور اور انجیل پڑھنے والے بڑے بڑے علماء نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اعلان کیا کہ لوگو! ہم اعلان کرتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اللہ رب العزت کی طرف سے یہ سب اس لئے تھا تا کہ دوسروں کی گواہیاں آجائیں، پوری کائنات کی گواہیاں آجائیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں، آپ نے تو بعد میں اعلان کیا مگر لوگوں نے آپ کی رسالت کا پہلے اعلان کر دیا۔ تشکیک والے یہ سارے پہلو خطرناک ہیں اگر ان کی سمجھ نہ آتی ہو تو انہیں اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دینا چاہیے۔ متشابہات کا معنیٰ یہی ہوتا ہے کہ بہت ساری چیزیں جو ہم نہیں جانتے اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ چچا یا والد کی کوئی بات ہو اور کوئی ہم سے پوچھے تو ہم کہتے ہیں: یہ بڑوں کی باتیں ہے ہم مداخلت نہیں کرتے، اے پڑھے لکھے معاشرے کے لوگو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کم از کم اپنے چچا اور والد سے زیادہ درجہ تو دے دو، اگر ان بڑوں کی بات میں تم مداخلت نہیں کرتے تو وہ تو حقیقت میں سب سے بڑے ہیں، ان کی گفتگو کو سمجھنے کے لئے تو

امام اعظم علیہ الرحمۃ، غوث اعظم علیہ الرحمۃ اور داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی ضرورت ہے۔

کیا اسلام غریبوں کا دین ہے؟

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسے حضرات ہیں جو اس دور کے امیر ترین لوگ ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ بات بھی بیان کی جائے کیونکہ اسلام کے حوالے سے یہ تصور عام ہے کہ یہ غریبوں کا دین ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا امیر ترین عورت تھیں سارے مکہ کا مال ان کے مال کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، جب ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا تو انہوں نے اپنا سارا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے لئے وقف کر دیا تب یہ آیت نازل ہوئی ووجدک عائلا فأغنی اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر آپ کے پاس دولت نہیں تھی ہم نے آپ کو دولت سے نواز کر اس حوالے سے بھی غنی فرما دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ صرف مالدار آدمی تھے بلکہ مکہ کے عظیم ترین دانشور بھی تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ پڑھیئے، جب پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان لیا ہے تو سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہنے لگے: میں آپ کو رسول مانتا ہوں، جب لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کس بنیاد پر ان کو رسول تسلیم کیا ہے تو انہوں نے کہا: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مان لیا تو میں کیوں نہ مانوں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکے کے اتنے بڑے دانشور اور سربراہ تھے کہ لوگ

انہیں ہجرت نہیں کرنے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ساری دنیا میں آپ کا نام ہے، اگر آپ مکہ سے چلے گئے تو لوگ ہمیں منہ نہیں لگائیں گے کہ جس شہر میں ابوبکر نہیں رہا وہ کوئی اچھے لوگ ہیں، لا یَخرج و لا یُخرج ایسے آدمی کو نہ تو شہر سے جانا چاہیے اور نہ ہی نکالا جانا چاہیے۔

حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ سے گفتگو کر رہی ہیں، انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، آپ خیر اور فلاح کے یہ سارے کام کرتے ہیں اور جو آدمی یہ کام کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے ناکام نہیں ہوتا:

کلا و اللہ ما یخزیک اللہ أبدا إنک لتصل الرحم وتحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق (صحیح بخاری، باب بدء الوحی)

صلہ رحمی

ان میں سے پہلا کام یہ تھا إنک لتصل الرحم کہ آپ انسانیت کو جوڑنے والے ہیں، ہمارے معاشرے میں یہاں تبدیلی آئی، ہم توڑنے والے ہیں جوڑنے والے نہیں، لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانوں کے خلاف کتابیں لکھ ڈالیں، انبیاء کے خلاف لکھ دیا، اولیاء کے خلاف کتابیں شائع ہوگئیں، صحابہ اور اہل بیت سے نفرت کے حق میں لکھنے والے توڑنے والے ہیں، ان کے مقابلے میں اللہ پاک نے اہل سنت کو ہمیشہ یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ جوڑتے ہیں، کس طرح جوڑتے ہیں؟ وہ اللہ کی توحید کا درس بھی دیتے ہیں،

اسے وحدہ لاشریک بھی مانتے ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال نہیں مانتا وہ رب کی مثل کیسے مان سکتا ہے؟ اہل سنت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں مانتے، امتناع النظیر جیسی کتابیں منظر عام پر ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ممکن نہیں، اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثل بنا کر فیصلہ فرما دیا ہے کہ یہ شخصیت دنیا میں یکتا رہے گی۔ لہذا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک نہیں مانتے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کا شریک کیسے مان سکتے ہیں؟ یاد رکھیے! مسلمان معاشروں میں شرک نہیں ہوتا منافقت ہوتی ہے، الحمد للہ ہمارا معاشرہ مسلمان ہے، چونکہ ایسی بات نہیں کہ شرک ہو ہی نہیں سکتا لہذا اس کے ازالے کے لئے بھی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمہارے مشرک ہونے کا ڈر نہیں بلکہ تمہارے دنیادار ہو جانے کا ڈر ہے، چونکہ ہمارے دلوں پر دنیا کا غلبہ ہے لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم معاشرے میں دنیاداری کے غلبے کے خلاف بھی مہم چلائیں۔

ہم نے نفرتیں پھیلائیں، واقعۃً ایسی ایسی کتابیں موجود ہیں کہ جنہیں پڑھ کر دکھ ہوتا ہے اور ایک مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا یہ لکھنے والا امتی ہے؟ ایسے لگتا ہے جیسے کسی غیر مسلم نے علمی بددیانتی کا ارتکاب کرتے ایسی کتاب لکھ کر اسے کسی مسلمان کی طرف منسوب کر دیا ہو۔

لوگوں کے مابین اصلاح

حالانکہ ہمارے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ جوڑنے کا درس دیا، حجر اسود

جوڑنے کے واقعے میں دیکھیں کہ جب آپ پتھر رکھنے لگے تو آپ نے چادر انور بچھائی، اوپر پتھر رکھا اور فرمایا: سارے آجاؤ، وہاں جتنے لوگ بیٹھے تھے آپ نے ان سب سے فرمایا: سارے کے سارے میرے ساتھ شامل ہو جاؤ، مقصود انہیں جوڑنا تھا، سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی یہ روایت موجود ہے کہ آپ صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میں تمہیں ایسی چیز کے بارے بتاؤں جو فضیلت میں نماز، روزہ اور زکوۃ سے بھی بڑھ کر ہے؟ ملا علی قاری نے بدر الدین عینی میں لکھا ہے کہ یہاں مطلق نماز، روزے اور زکوۃ سے مراد فرض (نماز، روزہ اور زکوۃ) ہیں نفل نہیں پھر فرمایا: ان تینوں سے افضل اصلاح بین الناس ہے یعنی لوگوں کے درمیان ناراضگیوں کو دور کر کے ان کے معاملات کو اچھا کرنا، یہ ان سب سے زیادہ درجہ رکھتا ہے، ہم نماز بھی پڑھتے ہیں اور لڑائی بھی ڈالتے ہیں، خودکش حملوں میں پکڑے گئے لوگوں کی لسٹیں منگوا کے پڑھیں، ہوسکتا ہے ان میں تہجد گزار بھی ہوں، وہ سارے کے سارے نمازی ہیں، اس کا مطلب کیا ہے؟ واضح الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ دین سمجھ نہیں آیا۔

اسلام اور احترام مخلوق

دین تو یہ کہتا ہے کہ من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعا ہم اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ جس نے کسی انسان کو قتل کیا حالانکہ یہاں انسان کا لفظ ہی نہیں ہے بلکہ یہاں "نفس" کا لفظ ہے اور

نفس اس کو کہتے ہیں جس میں روح ہو یعنی کسی چیونٹی کو بھی جان بوجھ کے مارنا گویا پوری انسانیت کا قتل ہے، آپ جا رہے ہیں کوئی چیونٹی راستے میں آجاتی ہے تو راستہ بدل لیں، اگر آپ پہ چڑھ ہی گئی ہے تو اس نے ایسا کیا ظلم کر ڈالا ہے؟ آپ اسے آرام سے اتار دیں، اگر آپ اس کو مسل دیتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ آپ بھی ظالم ہیں، من قتل نفسا بغیر نفس أو فساد فی الأرض فکأنه قتل الناس جمیعا جس نے کسی ذی روح شے کو قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا، اسی بنیاد پر ہمیں اسلام اور احترام انسانیت کی بجائے اسلام اور احترام مخلوق کی بات کرنی چاہیے، اسی لئے میرے کریم آقا نے فرمایا: الخلق عیال الله اس میں صرف انسانوں کا ذکر نہیں بلکہ ساری مخلوق شامل ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک بزرگ شیخ ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کا ذکر کیا ہے جو حضور غوث پاک علیہ الرحمۃ کے بھی مشائخ میں سے ہیں اور جن کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد اسی سال تک وظیفے کے طور پر درود شریف (صلی الله علیک یا محمد) اور سورہ توبہ کی آخری آیتیں پڑھتے رہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ غلہ خرید کر لائے تو بوری میں سے ایک چیونٹی نکلی، اس کو اٹھا کر اس جگہ چھوڑ آئے جہاں سے غلہ لے کر آئے تھے۔ کبھی ہمیں

یہ اقدار یاد تھیں، اب ہمیں نماز ہی یاد ہے، اللہ کرے وہ بھی یاد رہ جائے تو بڑی بات ہے، ہمیں بس چند رسمیں اور چند چیزیں یاد ہیں، لوگوں نے کہا آپ وہیں چھوڑ دیتے وہ چلی جاتی، انہوں نے کہا: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دوستوں کو دوستوں سے جدا نہ کرو۔

شافعی فقہ کی کتاب المھذب جس کی شرح امام نووی علیہ الرحمۃ نے کی، کے مقدمہ میں اس بزرگ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ کلاس سے فارغ ہو کر اپنے تلامذہ کے ساتھ ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ راستے میں کتا آ گیا، ان تلامذہ نے اسے اپنے استاد کے راستے سے ہٹا دیا، وہ کہتے ہیں دوسرے دن ہم کلاس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ہمارے استاد پریشانی اور ندامت کے عالم میں رو رہے ہیں، ہم نے عرض کیا: حضرت! یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ کو کس نے اذیت پہنچائی ہے کہ آپ پریشان ہیں، انہوں نے کہا: کل والا معاملہ ہے، اس کی وجہ سے اللہ کی بارگاہ میں گرفت ہوئی ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: بتا یہ راستے ساری مخلوق کے لئے بنے ہیں یا صرف تیرے لئے ہیں؟

کبھی آپ نے سوچا کہ یہ وہ انسانی اقدار تھیں جن سے ہم پھر گئے حالانکہ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر برسرِ پیکار رہے، یہ نمازیں تو ہمیں ان اقدار کے تحفظ کے لئے ملی ہیں، کوئی حکومت نافذ کرے یا نہ کرے جب آپ نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا ہے تو اب پوری قوت کے ساتھ ان کو اپنے وجود پر نافذ کر لیں، کئی ایسے معاملات ہیں جن میں حکومت کی کوئی مداخلت نہیں ہوتی تو ہمارا بھی ان پر عمل نہیں ہوتا؟ کیا اسلام کا یہ حکم

کہ پڑوسی اگر بھوکا سو گیا اور تم سیر ہو کر سو گئے تو پکڑ ہو گی، حکومت کے نظام کا حصہ بنے گا تو ہم اس پر عمل کریں گے؟ کیا حکومت اسے نافذ کرے گی تو ہم کریں گے؟ آپ اسلام کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ اسلامی تصورات اور اقدار ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی ابتدائی آیتوں کے بنیادی تصورات کو پڑھیں تو آپ کو یہی چیزیں ملیں گی۔

لاچاروں کی چارہ گری

دوسری چیز جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کی وہ یہ تھی: تکسب المعدوم کہ آپ بیروزگاروں کو روزگار مہیا کرتے ہیں جبکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ کام ہمارا نہیں عبدالستار ایدھی کا ہے، جب تک اس معاشرے میں شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ رہے کسی عبدالستار ایدھی کی ضرورت نہیں پڑی، ہم نے وہ راستے ہی چھوڑ دیے حالانکہ ہمارے پاس پلیٹ فارم موجود ہیں اور ہم لوگوں کو متوجہ بھی کر سکتے ہیں۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناظم مالیات تھے، ہمارے ہاں عام رویہ یہ ہے کہ جو لوگ ادارے چلاتے ہیں وہ خاص طور پر مالیات کا شعبہ اپنے قریب ترین رشتے داروں کے سپرد کرتے ہیں نہ جانے مقصد کیا ہوتا ہے، زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ قریبی رشتہ دار کو ناظم مالیات بنایا جاتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا پہلو دیکھئے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ یا امام حسین رضی اللہ عنہ کو مالیات کا

سربراہ نہیں بنایا بلکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بنایا، جو کوئی بھی کچھ جمع کرواتا وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی وصول کرتے تھے تاکہ تمام چیزیں ان کے ہاتھوں سے گزریں اور ریکارڈ میں رہے کہ کیا آیا اور کہاں خرچ ہوا تاکہ کوئی آدمی ذہن میں یہ تصور بھی نہ لا سکے کہ اس شخصیت نے اس حوالے سے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناظم مالیات سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی آتا اور میرے پاس پیسے موجود ہوتے تو آپ فرماتے کہ اس کا مسئلہ حل کردو اور اگر نہ ہوتے تو فرماتے کہ میرے نام پہ قرض اٹھا کے اس کا مسئلہ حل کرو۔

یہ ہیں اصل چیزیں، کیا یہ چیزیں ہمارے معاشرے میں نظر آتی ہیں؟ ہمارے معاشرے میں داڑھی، ٹوپی، ننگے ٹخنے، مسواک یہ سب چیزیں تو نظر آتی ہے اگرچہ یہ سب چیزیں اسلام میں ہیں لیکن یہ اقدار کہاں چلی گئیں؟ یہ روایات کہاں رہ گئیں؟ اور یہ ذمہ داریاں کہاں ہیں؟ یہ ساری چیزیں تو ہمیں اس لئے دی گئی تھیں کہ یہ ان اقدار کا تحفظ کریں، پانچوں وقت نماز پڑھ کر دعا کیا کریں کہ اللہ ہمیں ان اقدار کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

حاجتمندوں کی حاجت روائی

تحمل الکل حضور! صلی اللہ علیک وسلم آپ لوگوں کے بوجھ اٹھانے والے ہیں، ہمارے معاشرے میں تو ہر آدمی امیر آدمی کا احترام کرتا ہے، جو کسی کی قدر و منزلت ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کبھی بھی کمی نہیں کی، ہمیشہ اس کے مطابق اس کا احترام کیا، اسلام میں طبقاتی تقسیم کا کوئی وجود نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے سہارا اور غریب لوگوں کی دستگیری فرمایا کرتے تھے بلکہ ایک خاتون جس کا ذہنی توازن درست نہیں تھا رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی، بعض اوقات سڑک پر بیٹھ جاتی اور کہتی: یہاں بیٹھ جائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ جاتے، بسا اوقات کہتی: کھانا لے کر آئیں، صحابہ کہتے: ہم لے آتے ہیں، آپ فرماتے: نہیں، میں خود لاؤں گا، کبھی کہتی روٹی نرم کر کے میرے منہ میں ڈالیں، آپ ایسا بھی کرتے، ایک دفعہ کہنے لگی لقمہ اپنے منہ میں ڈالیں اور نرم کر کے میرے منہ میں ڈالیں، آپ نے یہ بھی کیا، جب آپ نے وہ لقمہ اس کے منہ میں رکھا تو اللہ کریم نے اس کی عقل درست فرما دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے کندھوں پر حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو سوار کیا وہاں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی سوار کیا، ہر کسی کو عزت اور احترام سے نوازا تا کہ معاشرے میں یہ چیزیں پیدا ہوں، کسی بے سہارا کے کام آنے کے حوالے سے سیرت نبوی کا یہ پہلو بھی پیش نظر رکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امامت کے لئے مصلی پر پہنچ چکے ہوتے، تکبیر ہو چکی ہوتی، پیچھے مقتدی بھی ہمارے جیسے نہیں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے ہوتے، رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم مصلی تک پہنچ چکے ہوتے کہ اچانک پیچھے سے آواز آتی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا کام کر دیجئے! اگر آپ محسوس فرماتے کہ اس آدمی کا

کام میں نے ابھی نہ کیا تو ہوسکتا ہے اسے پریشانی بن جائے تو آپ فرماتے انتظار کرو! پہلے اس کا مسئلہ حل کرلیں پھر نماز پڑھ لیں گے، آج کسی مسجد کا امام ذرا یہ کہہ کر تو دیکھے کہ ذرا انتظار کرو میں آتا ہوں، لوگ کہیں گے: آپ جائیں ہم خود جماعت کرالیں گے، اِدھر بھی جہالت ہے اُدھر بھی جہالت، قصور ہمارا ہی ہے، ہم نے کبھی جمعے پر اس موضوع پر گفتگو ہی نہیں کی کہ انسانوں کی اقدار کیا ہیں۔

ابوداؤد میں یہ روایت موجود ہے کہ میرے اور آپ کے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کا خطبہ دے رہے تھے، خطبہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے میرا یا آپ کا نہیں، پتہ نہیں کہاں کہاں تک سنائی دیتا ہوگا اور کون کون سنتا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب فرماتا ہے: اے محمد! جب آپ قرآن کریم پڑھتے ہیں تو میں سن کر سب سے زیادہ خوش ہوتا ہوں، اتنے میں ایک صحابیہ آتی ہے جو ابھی زیادہ تربیت حاصل نہیں کر پائی تھی، مسجد میں آکر کہتی ہے حضور! صلی اللہ علیک وسلم میری بات سنیے، آپ نے فرمایا میرے قریب آؤ، اس سے صحابہ کی تربیت بھی سمجھ آتی ہے، یہاں کسی شیخ کے سامنے اس طرح بولیں تو اس کا انجام کیا ہوگا سب جانتے ہیں، صحابہ اجازت لیا کرتے تھے کہ حضور ایسا کرلیں؟ اگر اجازت دیتے تو کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب آؤ! اس نے کہا: یہاں آکر میری بات سنیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے صحن میں تشریف لے گئے، کرسی منگوائی، اس پر بیٹھے، اس کی ساری بات سنی اور اس کا مسئلہ حل کر کے آپ نے دوبارہ خطبہ شروع کیا۔

جتنے بھی یتیم مسکین لوگ امیہ بن خلف کا سارا دن کام کرتے تھے شام کو انہیں روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی تھی لیکن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی خادم کے بغیر کھانا نہیں کھایا، قرآن کریم کی پہلی سورتیں پڑھیں تو ان میں بار بار یہ حکم ملے گا کہ بے سہارا لوگوں کا سہارا بنو۔

اسلام رسموں کا نہیں عمل کا نام ہے

یہ انسانی تقاضے ہیں، آیئے! ہم بھی اس بات پر غور کریں، مل کر بیٹھیں، پڑھیں اور سنیں، مطالعہ کریں، ہمیں تو اتنا ہی پتہ ہے کہ نماز نہیں جانی چاہیے، واقعی نہیں جانی چاہیے لیکن یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ نے عرض کی: حضور! نماز پڑھ لیں تو آپ نے فرمایا: جب تک خندق نہیں کھود لیتے، دفاع نہیں کر لیتے نماز نہیں پڑھیں گے، اسی لئے قرآن کہتا ہے: لیس البر بأن تولوا وجوهكم قبل المشرق و المغرب قرآن کے ایک ایک گوشے کو پڑھیں، آپ کو پتہ چلے گا کہ اسلام رسموں کا نام نہیں کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ پھیر لیا جائے بلکہ عقیدے سے لے کر میدان جہاد تک عمل کا نام ہے۔

مہمان نوازی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک انسانی قدر یہ بیان کی کہ تقری الضیف حضور! صلی اللہ علیک وسلم آپ مہمان نواز ہیں، کوئی مہمان بن کے آجائے تو آپ مہمان

نوازی فرماتے ہیں، کافر بھی مہمان بن کے آجائے تو عزت دیتے ہیں، آپ کے گھر میں اگر کافر آجاتا تو آپ کی بیویاں غیرت کی وجہ سے سگے والد کے نیچے سے بھی چادر کھینچ لیتیں کہ مہمان نوازی تو کریں گیں لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ پاک چادر پر ناپاک والد بیٹھ جائے۔

ایک کافر مہمان بنا، سونے سے پہلے سات بکریوں کا دودھ پیا، رات کو بستر خراب ہو گیا، صبح اٹھ کے چلا گیا، کچھ چیزیں رہ گئیں واپس جانا پڑا، اس کے ذہن میں تھا کہ اللہ کا رسول مجھ سے ناراض ہوگا کہ تو نے بستر خراب کر دیا، آپ نے تذکرہ ہی نہیں کیا، بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوا کرتی ہیں، ہم جب تک کسی پر لعن طعن نہ کرلیں اس وقت تک ہمارا جی ہی نہیں بھرتا حالانکہ اسلام کا یہ طریقہ ہی نہیں بلکہ درگزر، عفو، حلم اور معافی نمایاں پہلو ہیں، آپ نے تذکرہ تک نہیں کیا، وہ متاثر ہوگیا اور کہنے لگا: حضور! اگر آپ اجازت دیں تو میں خادم بن کے خدمت میں حاضر رہوں، مسلمان ہوگیا اور آپ کے پاس رہنے لگا، رات کو جب کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے اسے ایک بکری کا دودھ پلایا، کل جس نے سات بکریوں کا دودھ پیا تھا، آج آپ نے اس سے پوچھا: اور دوں؟ اس نے کہا حضور! اسی سے سیر ہوگیا ہوں، آپ نے فرمایا: کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے جبکہ مسلمان ایک آنت سے کھاتا ہے، انسان کا جی ایمان اور ذکر سے بھرتا ہے، ادھر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کھا کھا کے سیر ہی نہیں ہوتے، ہر بندہ یہی کہتا ہے کہ پہلے بتاؤ کھلاؤ گے کیا؟ یہ سب ہمارے ایمان کے کمزور ہونے اور ذکر سے غفلت کی علامتیں ہیں، کبھی ہم ان مجلسوں میں امتی بن کر بھی آئے ہیں؟ کبھی ہم امتی بن کر

آئیں ہیں کہ ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو رہا ہے، کبھی اس لئے آئے ہیں کہ یہاں ہمارے خالق کا ذکر ہوگا، ہمارے محبوب کا ذکر ہوگا، ہم کچھ نہ کچھ حاصل کر کے اپنے آپ کی اصلاح کریں گے، لیکن ہمارے کھانے پینے کے معاملات ہی نہیں چھوٹتے۔ آج بھی اگر ہم چاہیں تو اپنا انداز بدل سکتے ہیں۔

راست گوئی

تصدق الحدیث آپ سچ کے اصول پر کاربند ہیں، ہم جھوٹے لوگ ہیں، معاشرے میں جھوٹ آ گیا، ہم کبھی سوچتے ہی نہیں کہ جو آدمی جھوٹ بولتا ہے فرشتے اس سے نفرت کرتے ہیں، برکتیں اٹھ جاتی ہیں، سچ بولنے پر کونسا پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے، لوگوں کو دیکھیں فون آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں ہم میٹنگ میں ہیں، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ صاف کہہ دیں کہ فلاں وقت فون کر لیں۔

ایک عورت نے مٹھی بند کر کے اپنے بچے کو بلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہاری مٹھی میں کوئی چیز ہے تو یہ سچ ہے اور اگر تمہاری مٹھی میں کچھ بھی نہیں ہے تو یہ جھوٹ ہے، اس سے بچوں کو غلط ترغیب ملتی ہے، اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ (وکونوا مع الصادقین) سچائی کا ساتھ دو، سچے اصولوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ سچائی پر جتنے میرے کریم آقا کاربند ہیں دوسرا کوئی نہیں ہے، آپ کے مشن کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل کہتا ہے کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے سارے نشیب وفراز

دیکھے ہیں لیکن آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں سنا، پوچھا گیا تو مانتے کیوں نہیں؟ کہنے لگا یہ چودھراہٹ کا مسئلہ ہے، یہ آگے ہو جائیں گے اور ہم پیچھے رہ جائیں گے، چودھراہٹیں حاصل کرتے کرتے اس کا بیڑہ غرق ہو گیا۔

قرآن مجید میں اس اسلوب کی اور بھی حکمتیں ہو سکتی ہیں کہ اللہ نے فرمایا: قل هو الله أحد محبوب! آپ اپنی سچی زبان سے کہہ دیں کہ اللہ ایک ہے لیکن ہمارے پاس یہ بہت بڑی دلیل ہے، اگر شیطان تنگ کرے کہ اللہ کے ایک ہونے کی کیا دلیل ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اور دلیلیں ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں لیکن ایک بڑی اچھی طرح سے سمجھ میں آ تی ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ ایک ہے تو اللہ ایک ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہی تو کائنات کی سچی زبان ہے، اسی لئے قرآن نے فرمایا: قد جاء کم برهان من ربکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو برہان قرار دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رب کریم کی ذات پر آخری حجت ہے جس کا انکار کیا ہی نہیں جا سکتا، آپ ہمیشہ سچے تھے، بڑی بڑی مشکلات اور پریشانیاں آئیں لیکن آپ نے کسی کے ساتھ جو وعدہ کر لیا اسے وفا کیا، حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جو آپ کے خصوصی خادم رہے آپ کی خدمت میں سفیر بن کے آئے تھے، جب حدیبیہ کے موقع پر آپ کی زیارت ہوئی تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا جی نہیں چاہتا کہ میں کافروں کے پاس واپس جاؤں، آپ نے فرمایا: میں اپنے عہد اور اصولوں کی پابندی کرتا ہوں، تم کافروں کے سفیر بن کے آئے ہو

یہاں نہیں رہ سکتے، واپس جاؤ اور وہاں جا کر واقعۃ جی نہ بھرے اور تم اسلام پر قائم بھی رہو تو کھلے دل کے ساتھ میرے پاس آجانا، یہ ہے اصولوں اور ضابطوں کی پاسداری۔

مظلوموں کی دستگیری

تعین علی نوائب الحق حضور! صلی اللہ علیک وسلم آپ مظلوموں کا ساتھ دیتے ہیں، اس معاشرے میں ہم ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قوی کون ہے یہ نہیں دیکھتے کہ حق پر کون ہے، جس سورت کا میں نے حوالہ دیا أرأیت الذی یکذب بالدین اس کی شان نزول پڑھیے، سورہ فجر میں تفصیلا ان کا حال بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے، ان کا مال کھا جاتے ہو، سارا کچھ کھا کر اس زعم میں بیٹھے ہو کہ ہم بڑے معزز ہیں، حالانکہ جن کے پیٹ میں یتیموں کا مال چلا جائے وہ جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے چہ جائیکہ وہ معزز آدمی ہو۔

کفار مکہ کے پاس جب پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس چھوٹے یتیم اور مسکین بچے جایا کرتے کہ ہمارا مال واپس کرو تو وہ نہیں دیتے تھے بلکہ دھتکار دیا کرتے تھے، بعض اوقات وہ بچے حرم کعبہ میں بیٹھے قریش کو سفارشی بناتے تو وہ تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس، یتیموں اور مسکینوں کی کفالت کا ذمہ انہوں نے لے رکھا ہے، ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) ابوجہل کے پاس ان بچوں کے سفارشی بن کر جائیں گے تو وہ ان کے ساتھ بدکلامی کرے گا اور ہم دیکھ سن کر خوش ہوں گے،

ان حالات میں بھی جب کوئی بے سہارا آپ کے پاس گیا تو آپ نے کبھی یہ عذر پیش نہیں کیا کہ ابوجہل میرا مخالف ہے وہ میری کہاں سنے گا بلکہ فرماتے کہ ہم تمہیں حق دلانے کے لئے اس کے پاس جانے کو بھی تیار ہیں، وہ دے یا نہ دے یہ الگ بات ہے لیکن مظلوم کا ساتھ دینا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام ہے۔

کبھی ہم نے بھی اس معاشرے میں کسی مظلوم کا ساتھ دیا ہے؟ حکومتیں بھی دیکھتی ہیں کہ طاقتور کون ہے، ہم بھی اسی معاشرے کے افراد ہیں اور کبھی یہ نہیں دیکھتے کہ حق پر کون ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ مظلوموں کا ساتھ دو، قرآن کریم کی اس آیت کو پڑھیے جس میں انسانی قدر کو اجاگر کیا گیا ہے فرمایا: اگر انصاف کرنے کا مرحلہ آجائے تو اپنی ذات کے خلاف بھی کرنا پڑے تو کر ڈالو، اگر اپنے والدین کے خلاف کرنا پڑے تب بھی کر گزرو، یہ انسانی اقدار ہیں جن سے ہم کوسوں دور ہیں۔

یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ امین ہیں، یہ لوگ آپ کی سیرت کے اس پہلو کا بھی انکار نہیں کر سکتے، یہ قرآن کی گواہی ہے، یہ کبھی آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے، بددیانت نہیں کہہ سکتے، عجیب بات یہ ہے کہ ذاتی سطح پر تو آپ کی ذات کو مانتے ہیں لیکن جب رب کی وحی آتی ہے، جبریل آتا ہے تو یہ انکار کر دیتے ہیں، بڑے ظالم ہیں کہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، ذاتی سطح پر آپ کی کیفیت یہ تھی کہ دشمن بھی آپ کو امین مانتا تھا، امانتیں آپ کے پاس رہتی تھیں، ہجرت کا موقع آیا تو آپ نے اپنی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ٹھہرایا اور فرمایا: یہ

امانتیں سب کولوٹا کرکل واپس آجانا، یہ انسانی اقدار ہیں۔

انسانی اقدار اور معراج

قرآن کریم میں معراج کا جو واقعہ ہے سبحان الذی أسری بعبدہ اس سے تھوڑا سا آگے و قضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاہ و بالوالدین إحسانا ان دونوں رکوع میں و لا تمش فی الأرض مرحا تک اقدار ہی کا ذکر کیا گیا ہے، فرمایا: زمین پر اکڑ کر نہ چلنا إنک لن تخرق الأرض و لن تبلغ الجبال طولا تو زمین پھاڑ کر کہیں نہیں بھاگ سکتا اور تیرا جسم پہاڑوں سے بڑھ نہیں سکتا، اپنی حدود میں رہو، اس میں یہ بھی آیا کہ عہد کو پورا کرو، یہ بھی ہے کہ انسانیت کا قتل نہ کرو، یہ بھی فرمایا کہ یتیموں کا سہارا بنو، یہ بھی ارشاد ہوا کہ اپنے چال چلن میں اعتدال کا راستہ اختیار کرو اور اسراف نہ کیا کرو، پہلے حضور کی معراج بیان ہوئی اور آخر میں یہ اقدار بیان فرمادیں تا کہ اگر انسان ان اقدار پر چلنا شروع کردے تو اسے بھی معراج نصیب ہو جائے لیکن ہم غافل لوگ ہیں ان چیزوں کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا جو اخلاق بیان کیا وہ یہی تھا کہ آپ کا خلق قرآن ہے، جاؤ قرآن پڑھو، قرآن میں جو کچھ کرنے کا حکم ہے اگر اس پر عمل کے حوالے سے کسی کو کامل درجے پر دیکھنا ہے تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو، جس چیز سے منع کیا گیا ہے کسی کو اس سے رکنے میں کامل درجے پر دیکھنا ہے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو، آپ عملی قرآن

ہیں، چلتا پھرتا قرآن ہیں، آپ کو نظر آئے گا کہ قرآن اگر فکر ہے تو عمل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ہے، عبادات کے حوالے سے دیکھ لیں مثلاً نماز ہی ہے تو مطلوبہ مقاصد کی ادائیگی کے ساتھ حضور سے بڑھ کر کون نمازی ہوگا۔

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

یمامہ کا سربراہ ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہوا تو آپ نے اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھا، ہمیں یہ بھی بیان کرنا چاہیے کہ دوسرے لوگ قیدیوں کے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کرتے تھے، کاش کہ ہم اسلام اور قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک پر بھی لکھیں، جو کافر قیدی مسلمانوں کے پاس رہ کر گئے انہیں پوچھیں، وہ کہتے تھے کہ مسلمان ہمیں روٹی کھلاتے تھے اور خود بھوکے گزارا کرتے تھے، قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں کے حسن سلوک کی شہادتیں غیر مسلم قیدیوں کی زبانی تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں لیکن اس کے باوجود ہم دب جاتے ہیں، ہم کیوں دبیں حالانکہ ہمارے پاس رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ ہم بدعملی کا شکار ہیں لیکن اللہ کی بارگاہ میں معافی مانگیں گے اور محنت کریں گے تو انشاءاللہ اس کا بھی ازالہ ہو جائے گا، ہمارے مقابلے میں غیر مسلموں کے پاس سوائے دھوکے اور فراڈ کے اور ہے ہی کیا؟

ہم حق پر ہیں لیکن اس کے باوجود غیر مسلم ہماری زندگیاں دیکھ کر بھاگتے ہیں، کیوں؟ وہ کہتے ہیں نمازی ہے تو جھوٹ بھی بولے گا، حج کر کے آیا ہے تو چاہیے تو یہ تھا کہ شہرت ہو جاتی کہ باقی سارے کم تول سکتے ہیں لیکن حاجی صاحب کم نہیں تولیں گے مگر یہاں

معاملہ ہی الٹ ہے، یہ سب انسانی اقدار ہیں۔

آیئے! ہم نمازیں بھی پڑھیں، روزے بھی رکھیں، حج بھی کریں، زکوۃ بھی ادا کریں مگران تمام چیزوں کو سامنے رکھ کے کریں، چار بچیوں کے باپ ایک صاحب تبلیغ کے شوق میں نکلے رہتے ہیں، بچیاں رو رہی ہیں، انہیں کافی سمجھایا گیا مگر وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آخرت سنوارنی ہے ان بچیوں کا اللہ حافظ ہے، سیدنا جبریل امین علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں صبح وشام آیا کرتے تھے، جس معاشرے میں بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، انہیں دیکھنا تک گوارا نہیں کیا جاتا تھا، وہاں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے بلکہ اپنی جگہ چھوڑ کر انہیں اپنی جگہ بٹھاتے، آج کا معاشرہ دیکھیے بچوں کا صحیح معنوں میں خیال ہی نہیں رکھا جاتا، آپ نے فرمایا: اتنا ثواب صدقے کا نہیں جتنا اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا ہے۔

انسانی اقدار کا احیاء ... وقت کی ضرورت

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر کوئی اپنے اپنے شعبے میں رہ کر پڑھے، ترقی کرے، بس نیت اچھی ہو، ارادے اچھے ہوں، جو صبح سے چوک میں کھڑا ٹریفک کنٹرول کر رہا ہے کیا وہ انسانیت کی خدمت نہیں کر رہا؟ کیا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک شخص سڑک پر لوگوں کی جیبیں کاٹنے کے لئے کھڑا ہے اور دوسرا انسانیت کی حفاظت کے لئے کھڑا ٹریفک کنٹرول کر

رہا ہے، بلکہ اسلام میں تو یہ ہے کہ جو ایک دن رات مملکت اسلامیہ کے لئے پہرہ دیتا ہے وہ عابد کی سو سالہ عبادت سے افضل کام کر رہا ہے۔

آج اس معاشرے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن وسنت کے وہ پہلو جو ہمارے اندر سے مٹ چکے ہیں، جن کا ہم نے آج انسانی اقدار کے نام سے ذکر کیا ہے انہیں از سر نو رواج اور فروغ دے کر زندہ کیا جائے، یہ تبھی ہوگا جب ہم ایک عام آدمی اور پڑوسی کی خدمت بھی کریں گے اور معاشرے کی خدمت بھی کریں گے، اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ تمہارے سامنے پیاسا کتا بھی نہیں مرنا چاہیے چہ جائیکہ کوئی انسان تکلیف میں ہو اور کوئی مسلمان اس کی طرف توجہ نہ دے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے کہ دجلہ کے کنارے اگر کوئی کتا بھی مر جاتا ہے تو بروز قیامت اس پر بھی میری پکڑ ہوگی، ان انسانی اقدار کو قرآن نے بھی اجاگر کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پوری زندگی ان کے فروغ کے لئے کمر بستہ رہے تب جا کر اس مقصد جلیل میں کامیابی نصیب ہوئی، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب مکہ چھوڑا تو راستے میں ایک شخص نے روک کر پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں، بتایا: مکہ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہنے لگا: اگر آپ چلے گئے تو ساری دنیا میں مکہ والے بدنام ہو جائیں گے اس لئے واپس آجاؤ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کی ہیں ان میں لفظوں کا بھی فرق نہیں ہے، یہ اس وجہ سے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صحابہ مثالی تھے، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ ہی ایسا بنا دیا تھا کہ اس میں انسانی اقدار کو اس انداز میں فروغ ملتا رہے کہ لوگ یہ محسوس کریں کہ ہمارے والدین بھی اتنی شفقت نہیں دے سکتے جتنا کہ ایک مسلمان دے سکتا ہے، اگر ہم آج ہی سے ان اقدار پر عمل شروع کر دیں تو انشاء اللہ معاشرہ سدھر جائے گا۔

و ما علیّ إلا البلاغ المبین۔

یہی ہے آرزو تعلیم قرآں عام ہو جائے
ہر اک پرچم سے اونچا پرچمِ اسلام ہو جائے

زیرِ سرپرستی
شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

خواتین کے لیے باپردہ نشست کا انتظام ہے

ماہانہ درسِ قرآن

نامور سکالر

حضرت علامہ مولانا حافظ

خان محمد قادری مدظلہ العالی

درس قرآن دیں گے

درسِ قرآن کریم انگریزی مہینہ کے آخری اتوار کو ہوا کرے گا ان شاء اللہ

بمقام
ریڈ ایجوکیشنل سکول